''تصویر درد''

کا تنقیدی جائزہ (سبق:۲)

Teaching Lecture

Subject : Urdu

Class : B.A. (Hons.) I

Topic : Tasweer-e-Dard ka Tanqeedi Jaiza

Lesson : 02

Author : Dr. Fatahullah Quadri

Lecture Series No. : 34

شاعر ہندوستان پر طنز کرتے ہوئے آگے رماتا ہے کہ اے میرے وطن کے لوگو! تم پست بہت ہو گئے ہو کہ پستی سے اٹھ کر بلندی کی طرف نہیں دیکھتے، تمہاری خودی وخودداری خاک میں مل گئی ہے، بس تم داستان عشق ومحبت کو ہی اپنی دنیا سمجھ بیٹھے ہو، یکجہتی تو دور تو نے عیش وعشرت کی دنیا سے باہر نظر تک نہیں ڈالی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، دنیا کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہے، تم اتنے بدنصیب ہو کہ زمین وآسمان تم پر رو رہے ہیں، مگر تم کو شرم اب بھی نہیں آئی، یہاں تک کہ مقدس کتابوں کی عظمت کو تم نے عیسائیت کی چمک ودمک میں کھو دیا ہے اور رسم ورواج کی بندش میں الجھ کر رہ گئے ہو، تم تو اس قدر ہیچ اور بدنصیب ہو یہ بھی نہیں سوچ رہے ہو کہ جس نے ماہ کنعان کو حسن بخشا ہے وہ خود کتنا حسین ہوگا، لیکن تم تو صرف تقریر کرنے پر آمادہ ہو اور دینی تقریر جس میں اتحاد کا نام تک نہیں۔

ہوس بالائے نمبر ہے تجھے رنگین بیان کی!
نصیحت بھی تیری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

اب آگے شاعر ہندوستانیوں کے عیوب کو بیان کرتے ہوئے سمجھاتا ہے کہ اے غافل قوم! تو نے اپنے اندر جو خوبی چھپا رکھا ہے، اسے ظاہر کر اور ایسی خوبیوں کا حامل بن جا کہ تجھ سے دوسرے متاثر ہوں، ایسا پھول بن کہ شبنم کو بھی تیری تمنا ہو، تجھے اللہ نے صرف ظاہری چیزوں کو دیکھنے کے لیے آنکھ نہیں دی، بلکہ تو اپنی حقیقت کو سمجھ، جب جمشید کو اپنے ''جہاں نما'' ''ساغر'' میں اپنی حقیقت سمجھ میں نہ آسکی تو تیری کیا ہستی ہے، یہ تو تیری پستی ہے کہ آپس میں جھگڑے رہے ہو، مگر اپنی بلندی کی طرف نہیں دیکھ رہے ہو، جہاں ہریالی ہی ہریالی ہے، تو تو برسر اقتدار ہو سکتا ہے، پھر آگے کہتا ہے اے میری قوم! پروازی کا سبق حاصل کر، کیوں کہ پست قومیں ذلیل وخوار ہو کر رہ جاتی ہے، تو زندہ قوم بن اور اس قدر بن اور اس قدر اپنے اندر قوت پیدا کر کہ کسی کے سامنے سوالی نہ بننا

پڑے، کیوں کہ زندہ قوم کی بہ نسبت مردہ قوم ہی دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہے، تو ایسی محبت پیدا کر کہ میں موسیٰ کی دیدۂ بینا ہو۔

آگے اقبال (شاعر) امید کو ہر درد کا درماں مانتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ یہ ملک آزاد ہو کر رہے گا، مگر اس کے لیے محبت کا دامن وسیع کرنا ہوگا، یعنی شاعر امید کے ساتھ محبت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ محبت کبھی منزل کا نشاں ہے تو کبھی اس کے ہاتھوں میں گردش دشت و بیاباں ہے، جرس بھی یہی ہے، کارواں بھی یہی ہے، درد بھی یہی ہے، درماں بھی یہی ہے، یعنی شاعر کا کہنا ہے کہ ہم محبت کو سطحی نظر سے نہ دیکھیں، بلکہ اس کے اندر جھانک کر دیکھیں کہ جہاں محبت حقیقت کا پرتو ہے، یہ جس کو اپناتی ہے، اسے پروانہ بنالیتی ہے، اس لیے کہ اس کے دل میں کون و مکاں کے جلوے ہوتے ہیں۔

آخر بند میں شاعر وطن والوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم بھی اگر آپس میں میل جول اور محبت قائم نہیں کر سکے تو اوروں کی طرح اختلاف کی وجہ سے برباد ہو جاؤ گے، اس لیے وقت آگیا ہے کہ ہم سبھی ہم وطن مل کر ایک ساتھ یکجہتی کا ترانہ گائیں، کیوں کہ ع

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

آخر میں شاعر کو نظم کی طوالت کا احساس ہوتا ہے، اس لیے کہتا ہے کہ یہ نہیں کہ مجھ میں بولنے کی قوت نہیں، لیکن آخر اس کو کہاں تک بیان کروں، کیوں کہ یہ ایسا قصہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے میں نے اختصار سے کام لیا ہے اور چند لفظوں سے ملک سے بدلی اور وطن سے غداروں کے حال کو خامشی سے ادا کیا ہے۔

سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ

زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

المختصر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "تصویر درد" ایک کامیاب طویل نظم ہے، جن میں شاعر نے اپنے عہد کے ہندوستان کی بدحالی اور قوم کی ابتر حالی کے تاثرات پیش کیا ہے، کوئی بھی ادیب ہو یا شاعر تاثرات کی پیش کش میں فضابندی یا فضا آفرینی سے کام لیتا ہے، جس کے وجہ سے کلام کی تاثیر اور بھی بڑھ جاتی ہے، چنانچہ اقبال نے اس نظم میں یہ فرض بخوبی انجام دیا ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے طوالت سے کام لیا ہے، اس لیے ڈاکٹر اختر اورینوی اس نظم کے دوسرے بند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اس میں طوالت سے کام لیا گیا ہے اور اظہار درد متوازن نہیں رہا لیکن پھر یہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ فکر کا عنصر بھی خواہ مخواہ گہرا ہو گیا ہے۔"

گویا سبھی ناقدین یہ قبول کرتے ہیں کہ یہ نظم طوالت کے باوجود بھی اپنے اندر قوت کشش رکھتی ہے، زبان و بیان بھی کافی پر اثر، روانی سے خاصی نغمگی اور موسیقیت کی کیفیت سے الفاظ بھرپور ہے، مگر فکر میں گہرائی کے ساتھ متشکل پسندی بھی ہے اور ایک آدھ شعر میں تحریف پسندی سے بھی کام لیا گیا ہے، کہیں کہیں پر فارسی شعرا کی تقلید ملتی ہے، جس کے آخری بند میں آخری شعر کا پہلا مصرعہ محمد حسین نظیری نیشاپوری کا ہے، جس پر اقبال نے دوسرا مصرعہ لگایا ہے، لیکن اس قدر چابکدستی سے کام لیا ہے کہ پہلا مصرعہ اپنا لیا ہے، لفظی تراکیب کا استعمال جا بجا بہ حسن و خوبی دیکھنے کو ملتا ہے، جو اپنی جگہ موثر ہے، مثلاً طرز نغماں، اسلوب فطرت، خروش بے نفس، حسن عالم، تاب سخن، شرمندۂ کوش سماعت وغیرہ، ایسی ترکیبیں ہیں جس کی جگہ دوسرے الفاظ نہیں لے سکتے، بلکہ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو حسن جاتا رہے گا، تشبیہ کا بخوبی استعمال کیا گیا

ہے،محاورے سے گریز کیا گیا ہے اور فارسی الفاظ جابہ جا ستاروں کی مانند نظر آتے ہیں۔

بلاشبہ یہ نظم اپنی ہیئت اور نوعیت کے اعتبار سے کامیاب نظم ہے، یہ ایک مشہور نظم ہے، جسے قارئین بے حد پسند کیا، اگر ہم اس نظم پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ اس کا ہر شعر تشریح طلب ہے اور اس کے سینکڑوں معنی نکل سکتے ہیں، جس میں محاسن کلام کی تمام خوبیاں جلوہ گر ہیں، اس کے علاوہ یہ نظم ہندی قوم کی تاریخ بھی ہے، گرچہ یہ نظم ہندوستانیوں کے لیے ایک اعلیٰ اور بہترین نسخہ کی مانند ہے، مگر اس میں دائمیت نہیں، اس میں وہ ادبیت نہیں جو لازوال ہوتی، مگر پھر بھی اس میں ایک خاص بات ہے وہ یہ کہ ہند کے باشندے جب بھی کمزور و ناتواں ہوں گے تو اس وقت یہ نظم ان کے لیے آب حیات کا کام کرے گی اور آج بھی کچھ اہم پہلوؤں کے لیے یہ نظم ایک آئینہ و رہنما ہے، بھلے ہی جب یہ لکھی گئی تو اس کے ایک خاص افادی پہلو تھے، جس میں شاعری کے ساتھ ساتھ پیغام زیادہ دیئے گئے، مگر آج اس پیغام کا افادی پہلو اپنی وقتی و معنوی اعتبار سے غیر افادی ہے، مگر چند نظریئے ہیں، جن کی افادیت ہمارے قوم و ملک کے لیے ہمیشہ باقی رہے گی، غرض آج کی افادیت کے لحاظ سے بھی یہ کامیاب نظم ہے۔

❁❁❁❁❁❁